ہمارا سالانہ جلسہ

(۴) دعاؤں اور عبادتوں کا غیر معمولی نظارہ

ایک چیز جو ان ایام میں قادیان میں نظر آتی ہے۔ وہ شائد دنیا میں سوائے مکہ معظمہ کے اور کسی جگہ بھی نظر نہ آتی ہوگی۔ اور وہ خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کے حضور عاجزی اور خشوع کا منظر ہے۔ جلسہ کی ابتداء قرآن کریم سے ہوتی ہے۔ اور جلسہ کی انتہا دعا پر ہوتی ہے۔ ہزارہا بندگان خدا کے ہاتھ رقت اور عاجزی کیساتھ بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھتے ہیں۔ اور دعائیں کرنے والوں کے چہروں اور حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آتش فشاں پہاڑ ان کے سینوں سے ابل رہا ہے۔ اور اندیشہ ہے۔ کہ وہ پھٹ نہ جائے۔

نمازوں کے اوقات میں

مسجد نور سے لیکر ہائی سکول کے بورڈنگ تک قطاریں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور ہزارہا بندگان بیک وقت خدا کے حضور گرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور یہ نظارہ اسقدر مؤثر ہوتا ہے۔ کہ سخت سے سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اسوقت ایک اندھے سے اندھے کو بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک قوم ہے۔ جس کے سارے اعمال میں دین دنیا پر مقدم نظر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ خدا کی توحید خالص کو نہیں مانتے۔ نمازیں کعبہ کی طرف منہہ کر کے نہیں پڑھتے۔ وغیرہ مگر یہاں دیکھنے والے کو نظر آتا ہے۔ کہ ہزارہا سر رب العزۃ کے دروازے پر جھکے ہوئے ہیں۔ اور ان کے چہروں سے آثار تعبد ظاہر ہوتے ہیں۔

تہجد کے وقت

رات کے تین بجے پھر ایک نظارہ نظر آتا ہے۔ مسجد مبارک میں تہجد کی نماز پڑھنے کیلئے آنے والوں کا ایک تانتا بندھ جاتا ہے مسجد کے علاوہ احمدیہ چوک اور بازار دوکانوں کے چبوترے سب نماز پڑھنے والوں سے بھر جاتے ہیں۔ یہ لوگ دور دراز کے شہروں سے اور مختلف ملکوں سے چل کر آتے ہیں۔ بعض اُن میں سے بعض تہجد ہی کے عادی تک نہیں ہوتے۔ لیکن دسمبر کی سخت ٹھٹھرنے والی سردی میں اپنے لحافوں سے نکل کر یہ لوگ خدا کے حضور گڑگڑاتے اور روتے ہیں۔ اور ان کی یہ حالت صبح تک رہتی ہے۔ جبتک کہ مؤذن مسجد مبارک کی سطح سے یا منیار کی چوٹی سے اللہ اکبر کا پرکیف آوازہ بلند کرتا ہے۔

ایک اور نظارہ

بہشتی مقبرہ میں ایک تانتا سا ان ایام میں لگ جاتا ہے۔ مخلوق خدا مرد اور عورتیں کھچے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ اس زمانہ کے پاکباز اور راستباز نبی اور مرسل کے مزار پر کھڑے ہو کر آنسوؤں کی جھڑیوں کے ساتھ درود و سلام بھیجتے ہیں۔ جس کے قلب میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہو۔ وہ جان سکتا ہے۔ کہ اگر یہ جری اللہ نعوذ باللہ جھوٹا ہوتا۔ تو یہ تائید ربانی اور یہ نصرت الٰہی کہاں سے مل جاتی۔ جس کی وجہ سے مخلوق دنیا کے کناروں سے کھچی چلی آتی ہے۔ اور وہ اس سوز اور رقت سے اس پاکباز کے چاروں طرف کھڑی ہو کر درود و سلام بھیج رہی ہے۔ یقیناً دنیا اس نصرت الٰہی کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور قاصر رہے گی۔

قادیان کی فضا میں ان ایام میں ذکر الٰہی عبادت اور دعا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

صحابہ کی یادگار قائم کرنیکی سعی

اس جلسہ میں مجھے ایک اور نظارہ بھی دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اور وہ مہتہ عبدالرزاق صاحب کی سٹیڈیو تھی۔ مہتہ عبدالرزاق صاحب کی سٹڈیو آجکل ان کمروں میں بنی ہوئی ہے جنمیں کسی زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی رہائش تھی۔ اور اب ان کو قادیان کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر بازار کی طرف دروازے نکال کر مہتہ صاحب کو بطور سٹڈیو استعمال کرنے کیلئے دیئے گئے ہیں۔ مہتہ عبدالرزاق صاحب بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے دوسرے بیٹے ہیں۔ انہوں نے صحابہ کی تصویریں لینے کا اعلان کر رکھا تھا۔ اور وہ صحابہ کی تصویریں مفت کھینچ رہے تھے۔ تاکہ آئندہ نسلوں کیلئے ایک یادگار اور تحفہ کے طور پر یہ چیز قائم رہ سکے۔ مہتہ صاحب کی کوشش اور سعی کو میں نے شکر گذاری کی نگاہ سے دیکھا۔ اور انکے لئے دعائے خیر کی۔ کاش! اسکا انتظام چند سال قبل ہوتا۔ اور بہت سے پاک وجود جو ہم سے جدا ہو کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے ہیں ان کی صورتیں بھی محفوظ رکھنے کی کوئی صورت ہو جاتی میں نے اُن کے کمرے میں متعدد صحابہ کی جن میں سے بہت سے فوت ہو چکے ہیں اور بہت سے زندہ ہیں تصاویر وہاں دیکھیں اور میرا دل خوش ہوا۔ کاش! لوگ اب بھی اسطرف توجہ کریں۔ اور صحابہؓ کی صورتیں آنیوالی نسلوں کیلئے محفوظ رکھنے کا انتظام کر سکیں۔

ضرورت ہے۔ کہ مہتہ عبدالرزاق صاحب اگر اُن تقریبات کے فوٹو بھی محفوظ کر لیا کریں۔ جو علی العموم قادیان میں تاریخی طور پر سرانجام ہوتی ہیں جن میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بخصوصیت رونق افروز ہوتے ہیں اور یا ایسے ہی کوئی اہم تقریب ہو جاتی ہے تو ایک دن یہ مجموعہ بہت ہی قیمتی نفیس اور قابل قدر ہوگا۔ (باقی)

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد صاحب عرفانی پرنٹر و پبلشر چھپکر دفتر اخبار الحکم تراب منزل قادیان سے شائع ہوا

میں کیونکر احمدی ہوا؟

سیرت المہدی کا ایک ورق

مولوی غلام نبی صاحب اول مدرس گورنمنٹ سکول سرگودہا

کچھ صحابہؓ کے حالات مکرمی چوہدری فضل احمد صاحب لے۔ ڈی۔ آئی مدرس کیمبل پور نے بہایت احتیاط سے جمع کئے۔ اور شائع کرنے کے لئے دفتر الحکم کو مرحمت فرائے۔ مَیں اُن کی اس مہربانی کا ازحد ممنون ہوں۔ کاش اور احباب بھی اس امر کی طرف توجہ فرمادیں۔ چوہدری صاحب نے ہر بیان کو لکھنے کے بعد پھر صاحب بیان کو دیکھا۔ کر اس سے اُن کے ہاتھ سے تصدیق بھی حاصل کر لی ہے۔ جو ان کی احتیاط مزید کو بوضاحت ثابت کرتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کی ان مساعی کا ان کو اجر عظیم دے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء "ایڈیٹر"

آج بتاریخ ۱۲ اردسمبر ۱۹۲۱ء بروز منگل بوقت آٹھ بجے صبح بعد نماز فجر بر مکان نیاز مند واقعہ کا املاک سرگودہا بموجودگی جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب منشی ہنر و نیاز مند مولوی غلام نبی صاحب نے نیاز مند کی درخواست پر اپنا احمدی ہونا یوں بیان فرمایا:—

"میں مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز ایک آدمی نے کہا۔ کہ نماز پڑھتے ہوئے جس شخص کے خیالات پراگندہ ہیں۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ مَیں نے سوچا میرے خیالات تو پراگندہ ہوتے ہیں۔ تو پھر نماز کا کیا فائدہ؟ نماز چھوڑ دی مگر قرآن مجید مسجد میں پڑھتا رہا۔ ایک روز ایک آدمی نے مجھے کہا۔ کہ تو قرآن مجید پڑھنے میں غلطیاں کرتا ہے اور اگر قرآن مجید پڑھنے میں غلطی کی جاوے۔ تو سخت گناہ ہوتا ہے۔ میں نے وہ بھی پڑھنا چھوڑ دیا۔ اور پھر کچھ عرصہ تک نہ نماز کا خیال کیا۔ نہ قرآن مجید کا۔ پھر مجھے خود بخود خیال ہوا۔ کہ کوئی انسان پراگندہ خیالی سے نہیں بچ سکتا۔ نماز میں ضرور خیالات آتے ہیں۔ رد کیے نہیں جا سکتے۔ نماز پڑھنی اچھی ہے۔ ضرور پڑھی جاوے۔ پھر شروع کر دی۔ میرے خیالات سنیوں کے طریق ھلالہ کی وجہ سے طریق حنفی سے سخت بیزار ہوئے اور متنفر اور شیعہ خیالات مجھے پسند آنے لگے۔ میری صحبت گندے سے گندے اور بدکار سے بدکار آدمیوں میں رہی۔ چور۔ زانی ڈاکو وغیرہ ہر قسم کے بُرے آدمیوں میں میری صحبت ہوئی یہ پشاور کا واقعہ ہے۔ لیکن اتنا شکر ہے۔ کہ میں نے خود کچھ نہ کیا۔ ہاں اگر ایک ماہ اور ان کی صحبت میں رہتا۔ تو ضرور ویسا ہی ہو جاتا۔ ہاں قبل ازیں جب مَیں گھر میں جو موضع پنڈی لالہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات ہے تھا۔ اس وقت ایک آدمی مجھے وہابی سمجھتا تھا۔ کیونکہ ایک تو میں ھلالہ سے متنفر تھا۔ دوسرے میری سمجھ میں یہ نہ آتا تھا۔ کہ بارہ برس کا ڈوبا ہوا بیڑہ کس طرح ترا۔ جبکہ سب علماء کہا کرتے ہیں۔ کہ "ماریگا۔ مار کے جوائیگا۔ وت نہ ماریگا۔" میرے ان خیالات کی بنا پر مجھے ایک آدمی نے وہابی کہا۔ اور مجھے معلوم بھی نہ تھا۔ کہ وہابی ہوتے کیا ہیں؟ میرے ماموں صاحب مسمی احمد دین ساکن ڈنگہ کی میرے والد بزرگوار کے ساتھ ناچاقی تھی۔ اور اسی طرح میری مامی صاحبہ بھی متنفر تھیں۔ مگر ایک روز ماموں صاحب نے جو کہ اسوقت احمدی تھے مجھے کہا۔ کہ تمہارے والد صاحب تو نہیں ملتے تم تو آیا کرو۔ اور ملا کرو۔

پس ایک دفعہ مَیں گیا۔ قریبًا سات روز وہاں رہا۔ وہ ہر وقت مجھے تبلیغ کرتے رہتے۔ میں بچہ ہی تھا۔ اتنی مجھے سمجھ آئی۔ کہ امام مہدی آگیا ہے۔ اور سورج اور چاند کو گرہن لگ گیا ہے۔ اور یہ امام مہدی کی آمد کی پختہ پکی نشانی ہے۔ اور اس سے قبل ایک دفعہ مجھے ایک اشتہار راستہ میں گرا ہوا ملا۔ اس کو مَیں نے اٹھا کر پڑھا۔ اسمیں لکھا تھا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں۔ مگر مَیں نے پڑھ کر وہیں وہ کاغذ پھینک دیا۔ اور کوئی توجہ خاص طور پر اس کی طرف نہ کی تھی۔ ماموں صاحب سے تبلیغ ہونے کے بعد جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے۔ میں پشاور چلا گیا۔ وہاں بد سے بد آدمیوں کے ساتھ میری صحبت رہی۔ وہاں سے کوہاٹ گیا۔ سکول میں ایک اور آدمی احمدی ٹیچر تھا۔ جسکا نام موسیٰ خان تھا۔ میں ٹریننگ کالج میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اُس سے جب مَیں نے مشورہ طلب کیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ فی الحال درخواست نہ دو۔ ابھی تین چار ماہ باقی ہیں۔ درخواست کو بھول بھلا جاوینگے اور دوسرے روز درپردہ اپنی درخواست بھیج دی۔ میں نے ہیڈ ماسٹر سے ذکر کیا۔ اس نے کہا۔ تم بھی دے دو۔ تمہاری درخواست بھی بھیجدیتا ہوں۔ میں نے بھی بھجوا دی۔ اب وظیفہ ایک کو ہی ملنا تھا۔ اور درخواست کنندگان دو ہو گئے۔ دریافت کرنے سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ نمبر میرے اس سے زیادہ تھے۔ میں نے کوشش کی کہ لیاقت کو مدنظر رکھ کر وظیفہ کا فیصلہ کیا جائے۔

مجھے یہ بشارت ہوئی۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ مجھے بھی وظیفہ مل گیا ہے۔ اور اس کو بھی۔ چند روز بعد انسپکٹر سے پوچھا گیا۔ کہ نمبر کس کے زیادہ ہیں؟ میرے زیادہ تھے۔ مجھے لے لیا گیا۔ اور وظیفہ بھی مل گیا۔ مگر وہ رہ گیا۔ لیکن بعدہٗ وہ بھی اُسی سال وظیفہ پر لیا گیا۔

بشارت کا یہ میرے لئے دوسرا موقعہ تھا۔ اس سے قبل ایک دفعہ جبکہ میرے ماموں صاحب نے مجھے تبلیغ کی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک سفید ریش آدمی کھڑا ہو کر کہتا ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارًا۔ اور اس کے بعد جب کبھی میں حضرت اقدسؑ کی کوئی بات سنتا۔ مجھے یہ آیت فورًا یاد آجاتی۔ اور اس کے معنے پوچھنے کے لئے مَیں اس مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر کے پاس گیا۔ جہاں مَیں پڑھتا تھا۔ اس نے کہا کیوں پوچھتے ہو؟ میں نے کہا یونہی شائد وہ تاڑ گیا۔ کہ کوئی خاص بات ہے۔ پھر پشاور میں ایک دفعہ ایک مسجد میں ایک غریب احمدی شخص کو میں نے دیکھا۔ مَیں نے اس سے پوچھا۔ تم نے علیحدہ نماز کیوں پڑھی؟ اُس نے کہا۔ کہ میں نے مرزا صاحب کو مانا ہوا ہے۔ اور کچھ اور بھی گفت و شنید شائد ہوئی۔ مگر میں نے کوئی خاص توجہ اس طرف نہ کی۔ ہاں جب کوہاٹ میں تبدیل ہو کر گیا۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے۔ تو وہاں جا کر توجہ ہوئی۔ موسیٰ خاں میں کمزوریاں تھیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور وہ غیر احمدیوں کے ساتھ نماز بھی پڑھ لیا کرتا تھا۔ مَیں نماز کم پڑھتا تھا۔ ہم دونوں ایک جگہ اکٹھے رہتے۔ وہ اخبارات الحکم۔ بدر کا خریدار بھی تھا۔ جب وہ نماز پڑھنے جاتا۔ مَیں اس کی عدم موجودگی میں اُس کی جیب میں سے اخبار نکال کر دروازے بند کرکے پڑھ لیتا۔ اور پھر بند کرکے اس کی جیب میں رکھ دیتا۔ وہ خود اخبارات کو احتیاط سے اپنی چور جیبوں میں رکھتا۔ مجھے اس طرح یقین ہوگیا۔ کہ جس شخص کے ایسے خیالات اور ایسی تعلیم ہے۔ وہ ضرور سچا ہے۔ اس لئے ایک روز میں نے اُس سے کہا۔ کہ تو احمدی ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں! میں نے کہا۔ کہ تو غیر احمدیوں کے ساتھ نماز کیوں پڑھتا ہے۔ وہ حیران سا ہوا! میں نے کہا۔ مَیں بھی احمدی ہو جاتا ہوں۔ اب ان کے پیچھے نہ پڑھا کرو۔ ہم دونوں یہاں اکٹھے پڑھا کریں گے۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کیا مَیں تمہاری بیعت کا کارڈ لکھدوں۔ میں نے کہا نہیں۔ مَیں خود لکھتا ہوں۔ مَیں نے کارڈ لکھا۔ چوتھے روز جواب آگیا۔ کہ بیعت منظور ہے۔ مجھے مخالفت کا مطلق کوئی ڈر نہ تھا۔ اور حضرت اقدسؑ کے نشانات میں نے کوئی نہ دیکھے تھے۔ نہ میں نے دلائل سوچے۔ بلکہ آپ کی تعلیم اور آپ کے الہامات مجھے ایسے پسند معلوم ہوئے۔ کہ مَیں نے یقین کیا کہ یہ شخص سچا ہے۔ اور جو کچھ کہے وہ سچ کہیگا۔ اس کی ہر ایک بات قابل تسلیم ہے۔ میرے دوست سن کر حیران ہوتے تھے۔ کہ یہ احمدی ہو گیا ہے۔ اور باور نہ کرتے۔ لیکن میرے بار بار کہنے پر مان گئے۔ کہ سچ مچ ہو ہی گیا ہے۔ ایک روز سکول کے ایک استاد نے حضرت اقدسؑ کو میرے سامنے گالی دی۔ میں نے بہت سخت گالیاں فی الفور ایک کے بدلے دس سنائیں۔ وہ خاموش ہو گیا۔ وہ پہلے دوست ہی تھا۔ اور بعد میں پھر اس نے مجھ سے معافی مانگی کہ مجھ سے زیادتی ہوئی۔ اور ہم پھر دوست ہو گئے۔ ہاں اُس نے مجھے یہ نصیحت کی۔ کہ گالیاں دیتے دیتے کب تک نبھیگی۔ بلکہ اس کی بجائے تمہیں دلائل یاد رکھنے چاہئیں۔ جو مخالف کے سامنے پیش کئے جاویں۔ میں نے اس غیر احمدی کی اس نصیحت پر

عمل کیا۔ اور کچھ مدت اچھی گذری۔ پھر میں نے اخبار وطن میں ظفر علی کا ایک مضمون جو اُس نے نقاش نام کے ماتحت نکالا۔ اُس کو پڑھ کر میرا دل سلسلہ سے برگشتہ ہو گیا۔ اور مجھے سمجھ نہیں آتی تھی۔ کہ الہام کس طرح ہوتا ہے۔ اور حضرت اقدس پر الہام کس طرح ہوتے ہیں؟ میں خدا کے حضور کہتا یا اللہ! مجھے تبلا کہ الہام کیا ہوتا ہے؟ ایک روز مجھے غنودگی آئی۔ اور میں نے محسوس کیا۔ کہ یہ معمولی نیند کی طرح نہیں۔ بلکہ بیداری کے عالم میں غنودگی ہے۔ اُس میں میں نے آسمان سے گہرے نیلگوں رنگ کا ایک خوبصورت گھوڑا آسمان سے اترتا دیکھا۔ اُس کے عجیب وغریب رنگ مجھے نظر آتے تھے۔ اس کی گردن میں بجلی کی سی روشنی نظر آتی تھی۔ اور جوں جوں وہ نزدیک آتا تھا اُس کے رنگ متغیر ہو کر زیادہ خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ اور پھر کہا گیا کہ یہ تمہارے مرشد کا نشان ہے۔ عنقریب روشنی زمین تک پہنچے گی۔ اور دشمنوں کا رنگ زرد کر دیگی۔

شام کو میں اور چوہدری احمد دین صاحب احمدی وکیل گجرات جو اس وقت وہاں کلرک تھے۔ اور ماسٹر علم دین جس نے حضرت اقدسؑ کو ایک دفعہ گالی دی تھی۔ ہم تینوں چشمہ کوہاٹ کی پٹڑی پر سیر کر رہے تھے۔ شام کی نماز کے لئے تیار ہوئے۔ میں مسجد کے اندر امام غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی نہیں چاہتا تھا۔ اور وہ بھی تاڑ گئے۔ کہ یہ غیر معمولی دیر وضو میں کر رہا ہے۔ یہ ہمارے پیچھے نہیں پڑھیگا جب وہ فارغ ہو چکے تو میں بھی وضو سے فارغ ہوا۔ انہوں نے کہا۔ کہ تم نے نماز ہمارے ساتھ نہیں پڑھی۔ میں نے کہا۔ میں احمدی ہوں میں تمہارے ساتھ نہیں پڑھ سکتا۔ اس پر چودھری احمد دین صاحب مذکور نے کہا۔ میں بھی تحقیقات کر رہا ہوں۔ عنقریب احمدی ہو جاؤنگا

میں نے پھر ایک اور موقعہ پر مندرجہ بالا غنودگی والا ذکر سنایا۔ چوہدری احمد دین صاحب مذکور سے انہوں نے کہا۔ تمہیں مبارک ہو یہی الہام کی کیفیت ہے۔ اس روز میری تسلی ہو گئی۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ سلسلہ کثرت سے جاری ہوا۔ اور اب تک نہیں رکا۔ الہام اتنے ہوئے کہ ایک دفعہ میں نے ایک کاپی میں لکھے اور وہ بھر گئی میں ڈر گیا۔ کہ کہیں ابتلا کا باعث نہ ہوں۔ میں نے اس کاپی کو جلا دیا۔ اور جب ڈاکٹر عبدالحکیم مرتد ہوا۔ اسوقت حضرت اقدسؑ کی خدمت میں میں نے مفصل سرگذشت تحریر کی۔ اور عرض کیا۔ کہ مجھ پر الہام ہوتے ہیں۔ دعا فرماویں۔ کہ عبدالحکیم کی طرح میرے ٹھوکر کا باعث نہ ہوں۔ حضور نے جواب دیا۔ کہ ہم نے تمہارے لئے دعا کی۔ کہ خدا تمہیں اور ترقی دے۔

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بے شمار نشان دیکھے ہیں۔ مگر افسوس! میری علمی حالت کمزور ہے۔ ورنہ اللہ نے بے حد احسان کئے ہیں۔ اوائل میں مجھے سخت تکلیفیں ہوئیں۔ بھائی غلام رسول ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کے زمانہ میں احمدیت سے ہٹ گیا۔ یعنی پہلے احمدی ہو کر پھر سرگردان ہو گیا۔ اور بیمار ہو کر گھر آ گیا۔ یہ حضرت اقدسؑ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔ میں نے پوچھا۔ کیوں احمدیت کو چھوڑا ہے۔ بتایا۔ کہ حضرت اقدسؑ کی دو پیشگوئیاں ایک ثناء اللہ والی اور دوسری عبدالحکیم والی پوری نہیں ہوئیں۔ میں نے سوچا۔ کیا جواب دوں۔ یہ سخت آدمی ہے۔ دلائل ماننے والا نہیں۔ میں سخت مشکل میں پھنسا۔ ادھر مخالفت بے حد۔ گاؤں کے لوگ سخت دشمن۔ خود گھر کے بھی دشمن۔ میری والدہ ماجدہ اور میری بیوی صاحبہ بھی دشمن۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ کہ ایک تو بچ گیا ہے دوسرا بھی واپس مڑے تب بات ہے۔ گھر کے بھی مخالف اور باہر کے بھی۔ ہاں بھائی غلام رسول نے گاؤں کے علماء کو کہا۔ کہ تم میرے احمدیت سے پھرنے کی وجہ سے خوش مت ہو۔ کیونکہ اگر میں اُن کے ساتھ نہیں۔ تو تمہارے ساتھ بھی نہیں ہوں۔ بلکہ اب میرا کوئی حال نہیں۔ میں اسلام سے ہی برگشتہ سا ہوں۔ اور ایک چچا نے جب پوچھا۔ غلام رسول! جب سے تم ہماری طرف احمدیت سے واپس لوٹے ہو۔ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تو جواب دیا چچا صاحب یہ تمہاری جانب آنے کا ہی نتیجہ ہے۔ اسوقت میں میانوالی میں رہتا تھا۔ اور میں نے بھائی غلام رسول سے یہ کہا۔ کہ مجھے تیرے ساتھ بہت پیار ہے۔ تیری بیماری بڑھ رہی ہے۔ خواہ تیرا ایمان کیسا ہی ہے۔ مجھے بھائی سمجھ کر اور میری خاطر الحمد شریف اور استغفار اور لاحول کثرت سے پڑھا کر۔ اس نے کہا۔ اچھا! اس کی بیماری کی حالت سخت ہو گئی۔ اور جناب والدہ صاحبہ کے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ تو آفت خدا کی طرف سے ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ بچہ یہ تو تیرے پیر کے نہ ماننے کا وبال ہے۔ غلام رسول توبہ کر۔ میں بھی کرتی ہوں اور باقی گھر کے بھی کریں۔ سب احمدی ہو جاؤ شائد خدا اس مصیبت سے رہائی دے۔ غلام رسول نے رات کو خواب میں دیکھا۔ ایک توپ میرے سر کے بالمقابل رکھی ہوئی ہے۔ اور ایک آدمی توپ کے منہ کے آگے کھڑا ہے۔ اس نے کہا۔ تو باز آتا ہے۔ یا نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر دوسری دفعہ اس نے کہا۔ کہ باز آتا ہے یا نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر تیسری بار اس نے کہا۔ باز آتا ہے یا نہیں۔ میں نے کہا۔ ہاں! آتا ہوں۔ تب میر ناصر نواب صاحب نے فرمایا۔ تم نے ہم کو روپیہ دیا۔ ہم تم کو خوشبو دیتے ہیں۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ اور مجھے خوشبو ہی خوشبو آنے لگی۔ جدھر جاؤں خوشبو آتی تھی۔ میں گندی سے گندی جگہ میں گیا۔ اور وہاں بھی خوشبو آئی۔ تب مجھے یقین ہوا۔ کہ یہ خدا کا نشان ہے۔ اس طرح ہمارا سارا کنبہ احمدی ہوا۔ اور غلام رسول کچھ مدت پیغامیوں کے ساتھ بھی رہا۔ دو سال برابر میں خدا سے دعائیں کرتا رہا۔ کہ خدا اس کو ہدایت دے۔ ایک بار میں پشاور گیا۔ اور پوچھا۔ تو کس طرف ہے۔ کہا۔ تمہاری طرف۔ مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے کہا کس طرح آیا۔ کہا۔ پیغامیوں کی ہوا نکل گئی ہے۔ اب وہ غیر احمدیوں کے ساتھ نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں۔ (باقی)

قادیان میں عید الاضحی کی تقریب سعید

یکم فروری ۱۹۳۹ء بروز بدھ عید الاضحی کی تقریب سعید تھی۔ لوگ صبح سے ہی عید گاہ کی طرف روانہ ہونے شروع ہو گئے تھے۔ قادیان سے باہر کھلے راستوں پر نہایت ہی خوش کن نظارہ نظر آتا تھا۔ چاروں طرف سے مردوں، عورتوں، بچوں کا ایک دریا اُمڈتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خود بھی پیدل چل کر تشریف لائے۔ کچھ دیر بیٹھ کر آنیوالوں کی انتظار کی۔ اور پھر کئی ہزار مردوں، عورتوں کو حضور (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے عید کی نماز پڑھائی۔

پچیس کے قریب صفیں تھیں۔ اور ہر صف میں دو ڈھائی سو سے کسی طرح کم نمازی نہ تھے۔ مختلف صفوں میں مکبرین مقرر کئے گئے تھے۔ نماز کے بعد حضور نے بڑی عید اور چھوٹی عید کے فلسفہ پر ایک عظیم الشان خطبہ فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ ایک عید ذاتی قربانیوں کے بعد ملتی ہے۔ اور دوسری عید اپنے بزرگوں کی قربانیوں کے نتیجے میں ملتی ہے۔ اور یہ عید جو بزرگوں کی قربانیوں کے نتیجے میں ملتی ہے۔ وہ اس وقت تک مل نہیں سکتی جب تک ذاتی قربانیوں کے ذریعہ سے ایک عید میسر نہ آئے۔ پس ہم کو سلسلہ کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرنی چاہئیں۔ تاکہ ایک دوسری عید جو ہمارے بزرگوں کی قربانی کی وجہ سے ملنے والی ہے۔ وہ ہم کو میسر آئے۔ اور منافقین کی حالت پر بھی بوضاحت روشنی ڈالی

خطبہ کے بعد دعا فرمائی۔ اور پھر اپنے خدام کو شرفِ مصافحہ بخشا۔

عید حسب معمول عید گاہ میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ ہم کو ہر قسم کی قربانیوں کی توفیق دے۔ تاکہ دونوں قسم کی عیدوں کے ہم وارث بنیں۔ آمین۔

خدام الاحمدیہ کا جلسہ

۳ر فروری ۱۹۳۹ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کا ایک جلسہ محلہ دارالفضل میں زیر صدارت ماسٹر علی محمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ بعد نماز فجر منعقد ہوا۔ جس میں مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا و وائس پریزیڈنٹ مجلس مرکزیہ نے ایک تقریر کی جس میں آیات قرآنیہ سے استدلال کر کے سامعین کو مجلس خدام الاحمدیہ میں داخل ہونے کی ترغیب دلائی۔

ان کے بعد چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے تقریر کی جسمیں جماعت کے عام احباب کو خدام الاحمدیہ کے مقصد کیلئے اپنی خدمات پیش کرنے کی تحریک کی۔

دعا پر اجلاس برخواست ہوا

سکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ محلہ دارالفضل قادیان

ردِّ غایت المرام

دوسری قسط　　دوسری قسط

حضرت عرفانی کبیر کے قلم سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدی ایدک اللہ بنصرہ العزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حسب الارشاد دعاؤں کے بعد کل بعد الجمعہ میں نے غایت المرام کا جواب لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اور اپنی سہولت کیلئے یہ پسند کیا۔ کہ پہلے ان حصوں پر لکھا جاوے۔ جو محض مغالطات ہیں۔ اور یہ جداگانہ عنوان ہیں۔ کل کتاب کا جواب لکھے جانے پر ان کو کتاب کی ترتیب کے موافق اپنے اپنے موقعہ پر لگا دیا جائیگا۔ وباللہ التوفیق میری علمی قابلیت کچھ بھی نہیں۔ فقط آپ کی دعائیں میری رہنمائی کریں گی۔ اور بس۔ یہ ایک حصہ ختم ہوگیا۔ اس لئے بغرض اصلاح بھیجتا ہوں۔ حضور اس کو ملاحظہ فرما کر بعد اصلاح واپس کریں۔ اور جس جس بزرگ کو فرمادیں۔ ان کو بھی دکھا لیا جائے۔ تاکہ زیادہ مضبوط اور محکم ہو جائے۔ وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

خاکسار یعقوب علی۔ ۱۰ر مئی ۱۹۱۳ء

۹ر مئی ۱۹۱۳ء بعد جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجود ملائکہ

قولہ: چونکہ ملائکہ کے وجود کی نسبت فلسفیانہ تاویلات اور حکیمانہ توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ اور

(۱) تعلیم اسلام پر دساتیر و وید کی تعلیم کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۲) ملائک کے فی الخارج وجود کا انکار کیا گیا ہے۔

(۳) اور وید و دساتیر کے مذہب کے موافق ان کو ارواحِ کواکب تبلایا ہے۔

(۴) ان کا چلنا پھرنا، زمین پر آنا محال کہا ہے۔

(۵) اسلئے چند آیات و احادیث سے اس عقیدہ کی تکذیب و تردید کی جاتی ہے۔

اقول:۔ مَیں نے اس خیال سے کہ تفہیم مطالب میں سہولت ہو۔ مکائد سلیمانی پر نمبر دے دیئے ہیں۔ ناظرین دیکھینگے کہ صاحب الغائت نے چار دعوے پیش کئے ہیں۔ صاف اور واضح الفاظ میں یوں کہو۔ کہ دعاوی بلا دلیل اس لیئے اگر نمبر ۴ کو چھوڑ کر باقی تین کے لئے میں یہ کہوں۔ کہ صداقت و حق جوئی کے دشمن نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور آپ کی جماعت پر ان عقائد کے منسوب کرنے میں افتراء کیا ہے۔ تو یہ مبالغہ نہیں۔ بلکہ امر واقعہ ہے جس کے دلائل میں ابھی پیش کرونگا۔

ملائکہ کے وجود کی نسبت **فلسفیانہ تاویلات** اور **حکیمانہ توجیہات** بے شک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی ہیں۔ اور ہم انہیں بڑے فخر و ناز سے **مادہ پرست** اور **منکرین ملائکہ** کے سامنے پیش کر کے نہ صرف ان کا منہ بند کر سکتے ہیں۔ بلکہ ان کے مونہہ سے وجود ملائکہ کا اقرار کرا لیتے ہیں۔ مغربی فلسفہ کے دلدادہ۔ اور مغربی خیالات کے گرویدہ تو تعلیم یافتہ گروہ نے ان **دلائل اور حقائق** کو جو وجود ملائکہ کے متعلق پیش کئے گئے ہیں۔ پڑھ کر ملائکہ کی ہستی کو مان لیا۔

افسوس! **عداوت** کے تاریک غبار نے **حق و حکمت** کو بھی عیب بنا دیا۔ سچ ہے۔ ع

ہنر بہ چشم عداوت بزرگ تر عیبے است

قرآن مجید اپنے اندر حق و حکمت کا نظام رکھتا ہے۔ وہ دنیا کے سامنے حکمت پیش کرتا ہے۔ پھر اگر اسی **حکمت** سے حضرت **میرزا** کو حصہ ملا۔ تو تم اپنی **محرومی** سے اس کی تکذیب کرنے کا حق نہیں رکھتے؟

کیا قرآن مجید نے یہ نہیں فرمایا۔ **واللہ یؤت الحکمۃ من یشاء ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا**۔ یہ حکمت تو خیر کثیر ہے۔ اس کے لئے خدا تعالیٰ کا منتخب کردہ **دماغ** اور سر موزوں ہوتا ہے۔ بہر کل کے رسد حاشا و کلاّ

لقمانؑ جو اللہ تعالیٰ کے منعم علیہ بندوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے انعام **حکمت** سے ممتاز فرمایا۔ **ولقد اتینا لقمان الحکمۃ**۔ پھر **خدا** تعالیٰ کی **حمد و ثنا** میں فنا، اور دعاؤں میں فوت ہونے والے داؤد علیہ السلام کے لئے فرمایا **واتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب**۔ ان سب باتوں کے ماوراء حضرت **سرورِ عالم فخر بنی آدم محمد مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں فرمایا:۔ **یعلمھم الکتاب والحکمۃ** اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا نام حکمت رکھا اور **قرآن الحکیم** کہا اور فرمایا:۔ **وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ** اور اللہ تعالیٰ کا نام تو حکیم ہے ہی۔

ان تمام **شواہد قرآنیہ** کے ہوتے بھی **حکیمانہ توجیہات** کو محل اعتراض قرار دینا اسی ردیح کا کام ہے۔ جو قرآن کریم کے حکیمانہ نظام اس کی پرحکمت **تعلیم** سے محض بے خبر ہو۔ اور جس کو حکمت سے کچھ بھی حصہ نہ ملا ہو۔ پس ہم **ناز** اور یگانہ **ناز** سے یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وجود ملائکہ کی **حکمت** اور **حقیقت** حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان کی ہے اور یہ عطاء ربّی ہے۔ کیونکہ وہ فرما چکا ہے۔ یؤت الحکمۃ من یشاء،

امرِ دوم۔ محض افترا۔ **جھوٹ** اور **بہتان** ہے جو شخص کسی پر افتراء اور **بہتان** سے پرہیز نہیں کرتا۔ اس کی بابت میں کیا لکھوں!

کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تعلیم اسلام پر تعلیم دساتیر و وید کو ترجیح دی ہے؟ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم

ان یقولون الا کذبا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کے **جانشین** خلیفہ بلا فصل **نور الدین** (متعنا اللہ بطول حیاتہ) کی کسی **تحریر** یا **تقریر** میں اگر تم دکھا دو۔ (اور تمہارے ساتھ وہ تمام دشمنان سلسلہ عالیہ احمدیہ خواہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں مل جاویں) کہ وجود ملائکہ کے متعلق یا اسلام کی کسی تعلیم کے متعلق وید و دساتیر کی تعلیم کو ترجیح دی گئی ہے۔ تو تمہاری راستباری کے **اعتراف** کے علاوہ جو سزا اس **انکار** کی میرے لئے **تجویز** کرو۔ میں اس کے لئے شرعی اور قانونی اقرار کرتا ہوں۔ لیکن اگر تم نہ دکھا سکو۔ اور ہرگز نہ دکھا سکو گے تو پھر میں تمہیں **ویل یومئذ للمکذبین** سے ڈراتا ہوں۔

وہ **پاک وجود** جس نے دنیا کو دعوت دی۔ کہ اسلام ہی ایک **زندہ مذہب** ہے۔ اسلام کا خدا **حی و قیوم** ہے۔ اس رسول **زندہ** اور **غیر فانی رسول** صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسلام کی **کتاب زندہ** اور **زندگی بخش کتاب** ہے۔ کیا وہ وید و دساتیر کی تعلیم کو اسلام پر ترجیح دے سکتا ہے؟

او حق کے طالبو! خدا کے لئے دیکھو۔ اور سوچو۔ اگر حضرت **میرزا** وید و دساتیر کی تعلیم کو اسلام پر ترجیح دیتا۔ تو کیا "**سرمہ چشم آریہ**"۔ "آریہ دھرم" "**چشمۂ معرفت**"۔ "**قادیان کے آریہ اور ہم**"۔ "اسلام اور اس ملک کے دوسرے مذہب" لکھتا؟ کیا آریہ **سماج** اس کی دشمن ہوتی؟ کیا وہ آریہ قوم کو مخاطب کر کے یہی کہتا۔

اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس
بیا در ذیل مستان محمدؐ

دنیا جانتی۔ یورب پچھم والے جانتے ہیں۔ کہ حضرت **مسیح موعود** علیہ السلام کا ہی ایک وجود تھا جس نے آریہ سماج کی جڑھوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اور سماجک **تعلیم** کا وہ خاکہ کھینچا۔ کہ **آریہ سماج** سر نہیں اٹھا سکتا۔ **براہین احمدیہ** سے لیکر پیغام صلح تک کوئی تحریر آپ کی ایسی شائع نہیں ہوئی جس میں آریہ سماج کی تعلیم کی **حقیقت** کو نہ کھولا ہو۔ **اندرمن مراد آبادی**۔ پنڈت **دیانند سرستی**۔ **لیکھرام** پشاوری اور اسلام کے مقابلہ میں چیلنج کرنے والا۔ اگر کوئی **پہلوانِ محمدؐ** (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ تو وہ یہی جری تھا جس کی نسبت ایک ناحق شناس افتراء کرتا ہے۔ کہ تعلیم اسلام پر دساتیر و وید کی تعلیم کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا بیہودہ دعویٰ ہے۔ کہ اس کو پڑھ کر آریہ اور عیسائی بھی ہمارے پٹیالوی **قاضی** پر ہنسیں گے۔

سلیم الفطرت لوگو! کیا وہ شخص جو آفتاب سے بھی زیادہ روشن امر کو تاریکی میں دکھانا چاہتا ہے۔ کیا اس کے کلام و بیان میں اخلاص اور حق ہو سکتا ہے۔

اس موقعہ پر ممکن ہے پٹیالوی **قاضی** یہ **عذر** پیش کریں کہ صرف ملائکہ کے متعلق تعلیم اسلام پر وید و دساتیر کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے مَیں چاہتا ہوں۔ کہ ان کے ادعائے باطل کے اس بہانہ کو بھی توڑ دوں۔ یہ دعویٰ بھی ایک بلا دلیل دعویٰ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی **تحریر** یا **تقریر** کا اقتباس اس موقعہ پر پیش کرنا چاہیئے تھا۔ مگر پیش تو تب کریں جب اس کی کوئی اصل ہو۔　(باقی)

سوانح حیات حضرت حکیم مولوی عبیداللہ صاحب بسملؔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض مذہبی مسائل کے متعلق شیعہ اکابر سے دلچسپ گفتگو

(۴)

از مولینا مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل"

شیعہ مذہب کے اصول کے متعلق ایک ذاکر سے گفتگو

ایک دفعہ جبکہ میں لکھنؤ گیا۔ تو لطافت اور فصاحت دو شاعروں کے مکان کے محاذ میں ٹھہرا۔ ان سے بوجہ شعر و شاعری گہری ملاقات ہو گئی۔ وہاں ایک پیش نماز صاحب میر حسن یا میر حسین نامی تشریف لائے۔ آپ بڑے خوش بیان ذاکر مشہور تھے۔ جب میرا نام پوچھا۔ تو چیں بہ جبیں ہو کر کہنے لگے۔ محبان اہل بیت کیلئے ایسے نام زیبا نہیں۔ میں نے عرض کیا لاعلمی سے رکھا گیا ہے۔ کہنے لگے بدل دینا چاہیئے۔ عرض کیا۔ کہ اب بدلنا مشکل ہے۔ فرمایا کہ شیعہ اصول سے آپ واقف ہیں؟ عرض کیا نہیں۔ ذاکر صاحب نے کہا۔ پانچ اصول ہیں۔ توحید۔ رسالت۔ عدالت۔ امامت۔ معاد۔ میں نے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا پھر ارشاد ہو۔ فرمایا۔ توحید۔ میں نے عرض کیا۔ ٹھیک قل ھو اللہ احد۔ انما الٰھکم الٰہ واحد۔ پھر فرمایا۔ رسالت۔ میں نے کہا۔ بجا! ما محمد الا رسول۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار۔ ما کان محمد ابا احد من رجالکم۔ تیسرا اصول ارشاد ہو؟ فرمایا عدالت۔ میں نے عرض کیا۔ ان اللہ لیس بظلام للعبید جب ظالم نہیں تو عادل ہی سہی۔ گو قرآن مجید میں تو عادل کا لفظ واقع نہیں ہوا۔ مالک کا لفظ آیا ہے۔ اچھا تسلیم کر لیتے ہیں۔ چوتھا اصول ذاکر صاحب کے مونہہ سے نکلا معاد میں نے کہا۔ یہ بھی درست۔ ان الساعۃ اٰتیۃ لاریب فیھا۔ پانچواں اصول ارشاد ہو۔ فرمایا امامت۔ خاکسار نے عرض کیا۔ ما علیؑ الا امام کہاں ہے؟ اس کے واسطے نص صریح قطعیۃ الدلالت کونسی ہے؟ ذاکر صاحب فصاحت صاحب کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ اجی حضرت! ان کو سمجھانا کار دارد ہے۔

واقعات کربلا

دوسرے روز انہی کے مکان پر عشرہ محرم کا چہلم تھا۔ بہت زور شور سے مرثیہ خوانی ہوئی۔ حضرت قاسم کی شادی کا مرثیہ پڑھا گیا۔ جب مجلس ختم ہو چکی تو صاحب خانہ (فصاحت) میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ کیسی شرح و بسط کے ساتھ دردآمیز اشعار میں مرثیہ پڑھا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قاسم کی شادی کربلا میں ہوئی تھی؟ اس کا راوی اول کون ہے؟ کیا حضرت امام زین العابدین ہیں۔ یا اہل بیت میں سے کوئی عصمت مآب خاتون؟ کہنے لگے نہیں واقعات صحیحہ ہیں سچ ہے میں نے کہا۔ کربلا کا اصل واقعہ تو حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہے۔ لیکن جب کوفی حضرت امام حسین کا سر جسد مبارک سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ اور ابن زیاد نے دمشق میں نیزے پر علم کر کے بھیجدیا تو یزید نے وہ کہاں رکھا؟ کیا حضرت امام زین العابدین کو دے دیا؟ اگر حضرت امام زین العابدین کو حاصل ہو گیا تھا۔ تو حضرت امام حسین کو دمشق میں دفن کیا یا راستہ میں۔ یا مدینہ میں یا کربلا میں لا کر دفن کیا؟ آپ کسی صحیح روایت سے نہیں کسی ضعیف روایت سے ہی اس کی شرح و بسط بیان فرمائیں۔ اس کے علاوہ اہل بیت کو جب کوفی اونٹوں پر سوار کر کے لے گئے تھے۔ اور شہداء کربلا کے لاشے خاک و خون میں لتھڑے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔ تو جناب امام حسین کا جسد اطہر کس نے شناخت کیا اور کس نے دفن کیا؟ روایت میں ہے کہ بہتّر نفوس حضرت امام حسین کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ اُن بہتّر لاشوں کو کس قوم نے آ کر دفن کیا؟ وہ کون ایسا معتبر راوی ہے۔ کہ جس نے یہ بیان کیا ہو۔ کہ حضرت امام حسین کا جسد مبارک اسی کربلا کے گنبد میں مدفون ہے؟ کیونکہ امام زین العابدین یا اہل بیت کو کوفیوں نے تو دفن کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا تھا۔ اور ان کو اونٹوں پر سوار کر کے کوفے کی طرف لے گئے تھے۔ اور کوفیوں میں سے بھی کسی نے حضرت کا لاشہ دفن نہیں کیا تھا۔ غرضیکہ مخالف اور موافق گروہ کا کوئی معتبر آدمی حضرت امام حسین کے دفن کی روایت کو بالتفصیل بیان نہیں کرتا۔ جب ایسا اہم واقعہ روایات میں نہیں آیا۔ تو کیونکر مانا جائے۔ کہ قاسم کی شادی کربلا میں رچائی گئی تھی۔ پہلے حضرت امام حسین کی شہادت ہی پر پوری روشنی ڈال دو۔ اور امام کے سر اقدس کا پتہ دیدو۔ پھر کربلا کے دیگر واقعات کو پیش کرو۔ ورنہ موضوع روایات پر عوام الناس تو کان دھر سکتے ہیں لیکن جویائے حقیقت کی پیاس نہیں بجھتی۔

نواب صاحب رامپور سے بحث

انہی دنوں جب میں واپس رامپور میں آیا۔ تو نواب حامد علی خانصاحب والئے ریاست رامپور فرمانے لگے۔ عثمانؓ کا لاشہ تین روز بے گور و کفن پڑا رہا۔ گدھوں نے نوچا ہوگا۔ اور سنیوں میں سے کسی نے پرواہ نہ کی۔ یہ فرما کر روئے سخن خاکسار کی طرف کر کے ارشاد ہوا کیوں مولوی عبیداللہ! سچ ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا۔ کیونکہ حضرت عثمان کی شہادت ہی کے دن حضرت طلحہ و زبیر اور مدینہ کے اصحاب اہل حل و عقد نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی۔ ایک شخص اعتراض کریگا۔ کہ حضرت علیؓ اسقدر سنگ دل تھے۔ کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے لاشہ کی اسقدر توہین گوارا کی۔ کل کا دن ہے۔ کہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے لاشہ کی نسبت پنجاب کے راجہ شیر سنگھ کو کسی شخص نے کہدیا۔ کہ حضرت سید صاحب کا فلانہ لاشہ ہے۔ لیکن سر نہیں۔ تو شیر سنگھ نے اپنا قیمتی دوشالہ بھیجکر اپنی فوج کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نہایت احترام کے ساتھ سید صاحب کے لاشہ کا جنازہ پڑھا جائے۔ اور دفن کیا جائے۔ تو کیا شیر سنگھ سے بھی زیادہ صحابہؓ قسی القلب تھے؟ یا حضرت علی شیر سنگھ سے بھی گئے گذرے تھے۔ کہ ایک خلیفہ کے لاشہ کا احترام نہ کیا؟ نواب صاحب فرمانے لگے۔ حضرت علی کا کیا قصور ہے اہل السنت والجماعت نے بے اعتنائی کی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ اہل السنت والجماعت کیا اہل تاریخ نے لکھا ہے۔ کہ جب کوفہ میں حروریہ نے حضرت علی کو قتل کی دھمکی دی۔ تو آپ نے فرمایا اُکلت یوم اکلت ثور الابیض (یہ عرب کی ایک مثل ہے جسکا اشارہ کلیلہ دمنہ کے اس واقعہ کی طرف ہے۔ جس میں تین سفید و سُرخ اور سیاہ بیلوں کے متعلق ذکر آتا ہے۔ کہ شیر نے انہیں ایک ایک کر کے پھاڑ دیا) یعنی میں تو اسی دن قتل ہو گیا تھا۔ جس روز کہ حضرت عثمان شہید ہوئے۔ اگر حضرت عثمان کے لاشے کا کسی نے احترام نہیں کیا۔ تو کیا جواب ہے اسکا کہ حضرت امام حسین کے لاشے کا بھی کسی نے احترام نہیں کیا؟ اور کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرت امام حسینؓ کا لاشہ بھی شاید گدھوں نے نوچا ہو۔ کیونکہ وہ بھی ریگ تپاں پر پڑے رہے تھے۔ کچھ سوچ کر نواب صاحب فرمانے لگے۔ میں بھی نہیں کہتا۔ کہ حضرت عثمانؓ کے لاشہ کی بے حرمتی ہوئی تھی۔

عید بابا شجاع

ایک دوسرے روز کا واقعہ ہے۔ وہ عید بابا شجاع کا دن تھا۔ یعنی وہ دن کہ جبدن ابو لولو نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ شیعوں میں علاوہ عیدین کے عید نوروز عید بابا شجاع اور عید غدیر منائی جاتی ہے۔ عید نوروز تو وہ ہے۔ جبدن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی۔ اور عید غدیر اس دن منائی جاتی ہے جبدن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم پر پہنچے۔ تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ غرض وہ عید بابا شجاع کا دن تھا۔ کہ نواب صاحب کہنے لگے۔ آج وہ دن ہے۔ کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنینؓ کو بٹھا کر کہتے تھے۔ کھاؤ میرے بچو! کھاؤ۔ آج کے دن اس امت کا فرعون مارا جائیگا۔ اور کھاؤ میرے بچو! کھاؤ۔ آج نمرود اس امت کا مارا جائیگا۔ غرض ایسے الفاظ استعمال کئے۔ چونکہ نواب صاحب کو اس خاکسار کا چھیڑنا منظور تھا۔ خاکسار کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ عبیداللہ! تمہیں تو اس کا انکار ہوگا۔ عرض کیا۔ کہ ہاں سخت انکار! میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جناب

رسالت مآب بظاہر شیخین کے ساتھ نہایت تپاک سے پیش آتے تھے۔ اور دل میں خصومت رکھتے تھے۔ کیا کسی نبی کی تعریف ذو الوجھین قرآن شریف میں آئی ہے۔ یا کسی نبی نے ایسا کیا۔ اگر یہودیوں سے پوچھا جائے۔ کہ امت موسیٰ میں کونسے بزرگوار افضل واعلیٰ تھے۔ تو وہ جواب میں کہیں گے۔ اصحاب موسیٰ۔ اگر عیسائیوں سے پوچھا جائے۔ کہ عیسوی امت میں کون سے انسان کامل الایمان تھے۔ اور افاضل امت۔ تو جواب ملیگا۔ اصحاب عیسیٰ۔ مگر برخلاف اس کے اگر شیعوں سے پوچھا جائے۔ کہ کون اشرار امت ہیں۔ تو وہ بے ساختہ جناب رسالتمآب کے اصحاب کی طرف اشارہ کردیں گے۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ آج ایک شخص امہات المومنین اور دربار محمدی لکھ کر عیسائی مذہب کا آدمی میر احمد نامی پیش کرتا ہے۔ کہ شیعہ مذہب کے اقوال کے مطابق نبیٔ عرب کا ایک صحابی بھی قابل اعتماد نہ تھا۔ تو شیعہ مذہب نے جو از راہ تعصب وعناد الزامات صحابہ اور امہات المومنین کی نسبت لگائے ہیں۔ اگر ان کو صحیح مانا جائیے تو اسلام کا بالکل استیصال ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ اور طبری یہ لکھتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہم کو ملا ہے۔ غیر کے گھر سے ملا ہے۔ کیونکہ شیعہ مذہب میں سوا موضوعات کے دفتر گاؤخورد کے کچھ نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کارنامے

ایک شب مولوی ذوالفقار علی خانصاحب ڈائرکٹر محکمہ آبکاری سے نواب صاحب بحث کر رہے تھے۔ کہ حضرت امیر یعنی حضرت علیؓ نے عمرو ابن ود کو مارا۔ مرحب کو مارا۔ خندق فتح کیا۔ خیبر فتح کیا۔ مگر شیخین نے کس اونٹ کا کان چیرا۔ اسی اثناء میں بندہ بھی نواب صاحب کے دربار میں پہنچ گیا۔ یکبارگی روئے سخن بدل کر خاکسار سے فرمانے لگے۔ مولوی عبید اللہ شیخین نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ حضور پر ہویدا ہے۔ کہ میں پنجاب کا رہنے والا ہوں۔ آداب ریاست سے نابلد۔ کوئی گستاخی کا لفظ میری زبان سے سرزد ہو جائے یا سوء ادبی ہو جائے۔ تو مورد عتاب ٹھہروں۔ دوئم آقا و غلام کا مناظرہ موزوں نہیں بے ادبی پر دال ہے۔ اسواسطے خانہ زاد کو معاف رکھا جائے۔ نواب صاحب فرمانے لگے کہ احقاق حق اور ابطال باطل منظور ہے۔ بحث کی ضرورت نہیں۔ آزادی سے بیان کرو۔ میں نے پھر اس پر دست بستہ عرض کیا کہ مجھکو معاف رکھا جائے۔ اس پر بلند ہو کر کہنے لگے۔ جو تمہارے دل میں ہے۔ ضرور بیان کرو۔ کیونکہ میں اکثر سنتا رہتا ہوں۔ کہ تم نہایت آزادی سے گفتگو کرتے ہو۔ اور بارہا میرے سامنے بھی کی ہے۔ اب کیوں انکار کرتے ہو۔ میں نے کہا "کرمہائے تو مارا کرد گستاخ" حضور کے کرم نے گستاخ کر دیا ہے۔ لیکن اب میں گستاخی کرنا مناسب حال نہیں سمجھتا۔ کہنے لگے۔ تمہیں میرے سر کی قسم۔ بیان کرو۔ میں نے عرض کیا قسم نہ دیں۔ جو کچھ میرے خیال میں ہے عرض کئے دیتا ہوں۔ لیکن جب تک میں اپنا پورا مافی الضمیر عرض نہ کرلوں۔ تب تک درمیان میں اعتراض نہ کیا جائے۔ اس پر نواب صاحب نے کہا۔ مولوی انصار حسین اور مولوی علی رضا کو بلاؤ۔ وہ دونوں مصاحب منزل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فوراً حاضر ہوگئے۔ مولوی انصار حسین کو نواب صاحب نے کہا کہ مولوی عبید اللہ شیعہ مذہب کی نسبت ایک اعتراض کرتا ہے۔ میں جواب دیتا ہوں۔ تم غور سے سنو۔ ہاں! مولوی عبید اللہ تم اپنا خدشہ پیش کرو۔ میں نے عرض کیا۔ حضور جب تک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دار ناپائیدار میں تشریف فرما تھے۔ کسی صحابی کا کارنامہ ذاتی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ محض تعمیل ارشاد تھی۔ جو کچھ ارشاد ہوا صحابی نے اسپر عمل کیا۔ ذاتی کارنامے صحابہ کے آنحضرت صلعم کی رحلت کے بعد محسوب ہوتے ہیں۔ حضور سُنّی، شیعہ اور عیسائیوں کی تاریخ اٹھا کر ملاحظہ فرمائیں۔ کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دار ناپائیدار سے رحلت فرما کر عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔ تو اسوقت اسلام اور مسلمان کن کن مخمصوں میں گرفتار تھے۔ چند مخمصے بیرونی تھے اور چند اندرونی بیرونی مخمصے یہ تھے۔ کہ اوّل مسیلمہ کذاب۔ سجاح بنت الحارث۔ اسود عنسی اور طلیحہ بن خویلد ان چاروں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا مسیلمہ کے ساتھ یمامہ میں ۶۰ ہزار کے قریب مسلح شور (ہتھیار بند) پہلوان مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ سجاح بنت الحارث کے پاس اس سے زیادہ جرّار فوج موجود تھی۔ اسود عنسی کے پاس تیرہ چودہ ہزار اور طلیحہ کے پاس دس بیس ہزار آدمی موجود تھا۔ ان مدعیان نبوت کا خیال تھا۔ کہ جبتک اسلامی جماعت کا استیصال نہ ہو جاتے تب تک ہمارا مذہب حجاز کے لوگ نہیں مانینگے۔ اور عرب ہماری نبوت کا قائل نہیں ہوگا۔ اس لئے مدینہ میں جاکر مسلمانوں کا قلع قمع کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس فتنہ کے دفیعہ کے لئے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ماتحت ایک سریہ مدینہ سے روانہ کرنے کا ارادہ فرما کر ارشاد کیا تھا۔ لعن اللہ علیٰ من تخلف عن جیش اسامہ۔ دوسرا مخمصہ مرتدین عرب کا تھا۔ جس کی نسبت علامہ ابن خلدون لکھتا ہے۔ کادت ترتد العرب۔ تیسرا مخمصہ مانعین زکوٰۃ کا تھا۔ چوتھا مخمصہ مؤلفۃ قلوبھم کا۔ پانچواں مخمصہ یہود بنی قریظہ اور بنی نضیر کا جن سے خیبر میں چند لڑائیاں ہوچکی تھیں۔ چھٹا مخمصہ مشرکین عرب کا جن کے ساتھ متعدد غزوات ہوچکے تھے۔ ساتواں نصاریٰ بنی نجران کا۔ گو بظاہر انہوں نے مسلمانوں سے لڑائی تو نہیں کی تھی مگر یہ شام سے نجران میں بغرض اشاعت دین عیسوی آئے ہوئے تھے۔ یہ اپنی تبلیغ کا مزاحم اسلام کو پاتے تھے اور انکی دلی آرزو تھی۔ کہ اگر اسلام کا پاؤں درمیان سے اٹھ جائے۔ تو تمام جزیرہ نمائے عرب کو دین عیسوی میں لے آنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چنانچہ قبیلہ بنی طے و دیگر قبائل ان کی تبلیغ سے عیسائی ہو چکے تھے۔ یہ بیرونی مخمصے تھے۔ اب اندرونی مخمصوں میں سے ایک منافقین کا تھا۔ دوسرا مخمصہ جو پختہ مسلمانوں کے درمیان یہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ یہ ہے۔ کہ پختہ مسلمانوں کی تعداد اسوقت جیسا کہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتا ہے۔ چودہ سو اور سولہ سو کے درمیان تھی۔ جو بیعت رضوان میں داخل ہوئے تھے۔ یہ تعداد دو گروہوں پر منقسم تھی۔ ایک گروہ مہاجرین کہلاتا تھا۔ دوسرا انصار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی انصار کو یہ خیال پیدا ہوگیا تھا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے فرستادہ تھے۔ اس لئے ہم نے اُن کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا۔ لیکن دوسرے قریش کے لوگ مظلومانہ حالت میں مکّہ سے نکلے تھے۔ وہ بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ آئے تھے۔ ہم نے اُن کی مدد کی۔ ان کو مکان دیئے۔ خوراک و پوشاک سے ہم نے ان کی مدد کی۔ اگر نہ کرتے۔ تو وہ بھوک سے ہلاک ہو جاتے۔ وہ ہمارے دست نگر ہیں۔ اور ہمارے احسان کے نیچے ہیں۔ ہم ان کو اپنے شہر کا اور اپنی جانوں پر حاکم کس طرح بنالیں۔ اسواسطے سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار نے جمع ہو کر سعد بن ابی عبادہ کو اپنا امیر مقرر کرلینا چاہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اسوقت مسجد نبویؐ میں جنازے کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ اُن کے کان میں یہ بھنک پڑی۔ انصار نے اپنا امیر مقرر کرلیا ہے۔ یا کر لینے کو تیار ہیں۔ اسوقت حضرت ابوبکرؓ کو یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ عرب انصار کا لوہا نہیں مانینگے۔ اور العرب لا یصلح الاّ بالقریش قریش کو متولی کعبہ سمجھ کر عرب عزت کی نگاہ سے دیکھتے چلے آئے ہیں۔ اب بھی قریش کے سامنے سر خم کریں گے۔ اگر قریش نے اسوقت انصار کی حکومت مان لی۔ تو قریش کی وقعت، دیگر قبائل عرب سے اٹھ جائیگی۔ چنانچہ سر ولیم میور نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے حضرت ابوبکرؓ نے عجلت کی کہ انصار کو جاکر روک لیا جائے۔ اور امارت کے خیال سے باز رکھا جائے۔ ورنہ عرب میں فتنہ عظیم الشان برپا ہو جائیگا۔ جسے انصار سنبھال نہیں سکینگے چنانچہ حضرت عمرؓ کو لے کر سقیفۂ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح امین ہذہ الامۃ مل گئے۔ یہ تینوں اکابر صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ تینوں متفق ہوگئے۔ کہ ما جاء بہ الرسول میں مزاحمت نہ پیدا ہو۔ اور اشاعت اسلام میں رخنہ نہ پیدا ہو۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں پہنچے۔ اور بہت سے حیص و بحث کے بعد حضرت ابوبکرؓ اجماع صحابہؓ سے خلیفہ قرار دیئے گئے۔ میں اس وقت یہ عرض نہیں کر سکتا۔ کہ یہ اجماع جائز تھا۔ یا ناجائز۔ بہرحال صحابۂ کثیر کے اجماع سے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوگئے۔ دو سال چند ماہ آپ صدر خلافت پر متمکن رہے۔ اس عرصۂ قلیل میں آپ کی حسن تدبیر سے مسیلمہ کذاب۔ سجاح بنت الحارث۔ اسود عنسی۔ طلیحہ بن خویلد۔ مرتدین عرب۔ مانعین زکوٰۃ۔ مؤلفۃ قلوبہم۔ منافقین کے تمام مخمصے جزیرۂ عرب سے دور ہوگئے۔ اور اسلامی لشکر قیصر و کسریٰ کے مقابل کھڑا ہوگیا۔ اور بعض بعض مقامات اُن سے چھین لئے گئے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت فی الدین تھی۔ اگر خدمت فی الدین تسلیم نہ کی جائے۔ تو مسلمانوں پر ان کا احسان تھا۔ کیونکہ اگر حضرت ابوبکرؓ سے کوئی سوء تدبیر ہو جاتی۔ تو مسلمان قیصر و کسریٰ کے مقابل یا مسیلمہ یا اسود عنسی کے لشکر کے مقابل شکست کھا جاتے۔ تو مسلمان شہید ہو جاتے۔ اور حسب قوانین ملک عرب مسلمانوں کی

عورتیں بیوہ ہوکر لونڈیاں اور بچے یتیم ہوکر کفار کے غلام بن جاتے سُنی شیعہ ۔عیسائیوں کی تاریخ کو اٹھا کر ملاحظہ فرمالیا جائے۔ کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے انتقال کے قریب اپنا جانشین حضرت عمرؓ کو قرار دیا۔ یہ جانشین قرار دینا عرب میں استخلاف کہلاتا ہے۔ میں یہ عرض نہیں کرسکتا کہ یہ استخلاف جائز تھا یا ناجائز۔ بہرحال حضرت عمرؓ خلیفہ ہوگئے۔ اور دس سال تک آپ نے مسند خلافت کو زینت دی۔ اس عرصہ میں فارس کا ملک فتح ہوگیا۔ وہ صحابہ جو بھوک کی وجہ سے سنگِ مجاعت اپنے پیٹ پر باندھا کرتے تھے۔ اُن کے گھر خزائن کسریٰ کی غنیمت سے مالامال ہوگئے۔ اور فارس کے شاہوں کی لڑکیاں بطور سبایہ مسلمانوں کے گھروں میں آگئیں۔ چنانچہ ایک اُن میں سے یزدگرد (فارس کا آخری بادشاہ) کی بیٹی جن کو بانو کہتے ہیں حضرت امام حسین کے گھر میں آئیں۔ جن کے بطنِ مبارک سے حضرت امام زین العابدین پیدا ہوئے جنکو شیعہ ائمہ اثنا عشر میں سے چوتھا امام اعتقاد کرتے ہیں۔ اس کے سوا مقوقس سے مصر کا ملک پورے کا پورا لشکرِ اسلام نے عمروؓ بن العاص کی ماتحتی میں چھین لیا۔ اور سلطنت اسلام کو یہاں تک وسعت ہوئی۔ کہ وہ شام کی مبارک سرزمین جس کی نسبت قرآن شریف میں بار بار کنا حولہ وارد ہے۔ نصاریٰ کے ناپاک ہاتھوں سے چھین کر مسلمانوں کو اس کا متولی بنا دیا گیا۔ یہ حضرت عمرؓ کی خدمت فی الدین ہے۔ اگر خدمت فی الدین نہ تسلیم کی جائے۔ تو مسلمانوں پر ان کا احسان ہے۔ کیونکہ اگر اسلامی لشکر قیصر یا کسریٰ یا مقوقس کے مقابل شکست کھا جاتا۔ تو مسلمان عورتیں بیوہ ہوکر لونڈیاں اور مسلمان بچے یتیم ہوکر غلام بن جاتے سنی شیعہ حتیٰ کہ نصاریٰ کی تاریخ کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔ کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان مجلسِ شوریٰ کے انتخاب سے خلیفہ مقرر ہوئے۔ میں نہیں عرض کرسکتا کہ شوریٰ جائز تھا یا ناجائز۔ بہرحال حضرت عثمان خلیفہ ہوگئے۔ قریب بارہ سال کے حضرت عثمان مسند آرائے خلافت رہے۔ اُن کے عہد مبارک میں طرابلس الغرب سے لے کر بخارا تک اسلامی سلطنت پھیل گئی۔ جو اسوقت چھ سات سلطنتوں میں منقسم ہے۔ مصر مصر والے کے پاس ہے۔ شام میں فرانسیسی ہیں۔ اور برٹش گورنمنٹ بھی ہے۔ عرب و نجد ایک کے پاس ہے تو حجاز دوسرے کے پاس تو یمن تیسرے کے پاس۔ فارس شاہ ایران کے پاس ہے۔ مسقط شاہ مسقط کے پاس ہے۔ بخارا روسیوں کے پاس ہے۔ کابل شاہ کابل کے پاس ہے۔ حضرت عثمان کے وقت اتنی وسیع مملکت ایک خلیفہ کے ماتحت تھی۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان نے وہ بڑا کام کیا۔ جو کسی صحابی سے نہ ہوسکا۔ کہ وہ قرآن کریم جو مایۂ رشد و ہدایتِ مسلمین ہے۔ جو آلۂ خدا شناسی ہے اور مایۂ نازِ اہلِ اسلام ہے۔ اور جس پر سنی شیعہ دونوں گروہ تفاسیر لکھ رہے ہیں۔ وہ مرتب اور مدوّن کیا ہوا حضرت عثمان کا ہے۔ اگر حضرت عثمان مدوّن نہ کرتے تو جس طرح آج عیسائیوں کے مختلف گروہوں کی متفرق انجیلیں ہیں۔ اسی طرح لوگوں کے تصرفات سے قرآن کریم بھی ہوتا۔ اس کا مشرق کا نسخہ مغرب کے ساتھ متفق نہ ہوتا۔ چونکہ خدا کا وعدہ تھا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ اس لئے اسکا مصداق حضرت عثمانؓ ٹھہرے اور تمام دنیائے اسلام میں قرآن کی ایک سی صورت رہی۔ شیعہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ قرآن بیاضِ عثمانی ہے۔ سنی شیعہ حتیٰ کہ نصاریٰ کی تاریخ کو ملاحظہ فرمالیا جائے کسی نے اسکا انکار نہیں کیا۔ یہ حضرت عثمان کی خدمت فی الدین ہے۔ اگر خدمت فی الدین تسلیم نہ کی جائے۔ تو مسلمانوں پر احسان ہے۔ کیونکہ اگر قرآن کے متفرق نسخے ہوتے تو شیعوں کے پاس کچھ سنیوں کے پاس کچھ۔ خوارج کے پاس کچھ۔ باعثِ اختلاف ہوکر اسلام کی جامعیت جاتی رہتی۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ بہ نسبت حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ زیادہ عرصہ تک بقیدِ حیات رہے ہیں بجز اس کے کہ جنگ جمل میں قریباً ساٹھ ہزار مسلمان جان سے مارے گئے۔ اور جنگِ صفین میں ستر ہزار اور جنگ نہروان میں بارہ ہزار آدمی مارے گئے۔ مسلمان عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ مسلمان بچے یتیم ہوگئے۔ اسلامی فتوحات رک گئیں۔ حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کونسا احسان ہے۔ جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ سے افضل و اعلیٰ سمجھا جائے۔

خاکسار کا یہ کہنا تھا۔ کہ نواب صاحب پلنگڑی پر لیٹ گئے۔ اور رومال ہلایا۔ کہ اب اٹھ کر چلے جاؤ۔ میں اور ذوالفقار خانصاحب اور دیگر حاضرین جلسہ وہاں سے برآمد ہوئے۔ حافظ احمد علی خاں شوق اگرچہ اسوقت ہمارے سخت مخالف ہیں اور اسوقت بھی سخت مخالف تھے۔ مگر انہوں نے اسوقت آکر مجھکو پیچھے سے اٹھا لیا۔ اور کہنے لگے قادیانی گو میں تمہارے عقائد کے ساتھ متفق تو نہیں ہوں۔ مگر آج تو نے اہل السنت کی عزت رکھ دکھائی۔ کیونکہ نواب صاحب کے پاس جو بھی اہل السنت والجماعت میں سے عالم تشریف لاتا تھا۔ تو نواب صاحب کے منہ سے جو الفاظ نکلتے تھے۔ خاموشی کے ساتھ سنکر اٹھ جاتا تھا۔ اور کلمۂ حق زبان پر نہیں لاتا تھا۔ آج تو نے اہل السنت کی اچھی وکالت کی۔

دوسرے روز مولوی علی رضا، اور مولوی انصار حسین دونوں نواب صاحب کے سامنے گریہ وزاری کرنے لگے۔ کہ رامپور غرق ہوجائیگا۔ اور رامپور پر انگارے کیوں نہ برسیں گے۔ مولوی عبید اللہ نے حضور کے سامنے جناب امیر علیہ السلام کی نسبت کھلے لفظوں میں کہہ دیا۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ چونکہ حضور کے صاحبزادے خاقان دولھا اور نواب دولھا مدرسے میں تعلیم پاتے ہیں۔ عربی پڑھنے کیلئے مولوی عبید اللہ کے پاس جاتے ہیں۔ یہ شخص ان کے عقائد کو بگاڑ دیگا۔ نواب صاحب نے ارشاد فرمایا۔ ہاں ان کو ملازمت سے الگ کر دو۔ حافظ احمد علی خان شوق کہنے لگا کہ مدرسہ میں کورس پڑھانا ہے۔ نہ کہ عقائد کی کتابیں۔ مولوی عبید اللہ ایسا نادان کہاں ہے۔ کہ بچوں کے ساتھ ایسی گفتگو شروع کردے۔ نواب صاحب نے کہا۔ اچھا رہنے دو۔

صبح مجھکو صاحبزادہ عنایت حسین خان عرف اچھا میاں نے جو مجھ سے فارسی اشعار کی اصلاح لیا کرتے تھے۔ میرے پاس آدمی بھیج کر بلوایا۔ اور کہنے لگے مولوی صاحب آپ نے بڑا غضب کیا ہے۔ نواب صاحب کے روبرو آپ نے یہ کہدیا کہ حضرت علیؓ نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ نواب صاحب آپ پر بہت ناراض ہیں۔ میں نے سن کر استعفیٰ لکھا اور ہیڈ ماسٹر صاحب کو دیا۔ استعفیٰ داخل کرکے نواب صاحب کے چچا صاحبزادہ چھٹن صاحب بہادر کے پاس گیا۔ وہ مولوی عبد الحق صاحب خیرآبادی کے شاگرد رشید اور معقولات میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ اور مذہباً اہل السنت والجماعت اور حنبلی المذہب کہلاتے تھے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے بڑے معتقد تھے۔ میں اُن کے پاس گیا۔ اور کہا خانہ آباد دولت زیادہ! ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست خاکسار اب خدمتِ والا سے رخصت ہوتا ہے۔ چھٹن صاحب بہادر کہنے لگے۔ کہ آپ عجلت نہ کریں میں نے آپ کی تقریر کا خلاصہ سن لیا تھا۔ آپ نے اپنے مذہب کی ضرور پاسداری کی۔ البتہ اتنی بات ہے۔ کہ تقریر کا لہجہ سخت تھا۔ خیر میں اس کو سلجھا لونگا۔ آپ ہرگز جانے کا ارادہ نہ کریں۔

رات کے وقت صاحبزادہ عنایت حسن خان اور صاحبزادہ چھٹن صاحب بہادر دونوں نواب صاحب کے مواجہ میں چوسر کھیلنے لگے اتفاقاً چھٹن صاحب کا پانسا بھاری ہوگیا۔ اچھا خانصاحب سے کہنے لگے۔ اچھا میاں تم بھی چلے۔ اور تمہارے اُستاد بھی چلے۔ نواب صاحب نے پوچھا۔ اچھا میاں کا کون استاد۔ چھٹن صاحب نے کہا عبید اللہ بسمل۔ نواب صاحب نے کہا۔ ہاں! چچا صاحب۔ وہ تو خارجی ہے۔ وہ تو قادیانی بھی نہیں۔ قادیانی بھی میرے خیال میں ایسا نہیں کہتے ہونگے۔ چھٹن صاحب کہنے لگے وہ سٹھیا گیا ہے۔ تاریخیں پڑھتے پڑھتے دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ جہاں حضور کے ملازم عیسائی۔ پارسی ہیں وہاں ایک ایسا بھی سہی۔ یہ تو حضور کی معدلت شعاری کا نشان ہے۔ کہ اپنے مذہب کے مخالف کی پرورش فرماتے ہیں۔ نواب صاحب نے فرمایا۔ اچھا چوسر اٹھا دو۔ ذوالفقار خانصاحب کو بلاؤ۔ اور عبید اللہ صاحب کو بھی بلاؤ۔ خاکسار سے پہلے ذوالفقار خاں صاحب نواب صاحب کی خدمت میں پہنچ چکے تھے۔ جسوقت خاکسار خدمتِ والا میں پہنچکر آداب عرض کرکے بیٹھ گیا۔ نواب صاحب نہایت غضب کی نگاہ سے میری طرف دیکھنے لگے۔ چند منٹ دیکھ دیکھ کر یکبارگی کہنے لگے۔ مولوی عبید اللہ تمہیں کس نے کہا تھا۔ کہ میں ناراض ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ پرسوں رات کی تقریر سے میرے خود ذہن میں متبادر ہوا تھا۔ کہ میرے آقا غلام کی گستاخی سے ناراض ہوچکے ہیں۔ فرمانے لگے بیشک تم بڑے گستاخ ہو۔ تم نے میرے سامنے یہ کہا۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ اگر میرا یہی عقیدہ ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ تو بیشک میرے جیسا کوئی مرتد نہیں۔ کوئی زندیق نہیں۔ کوئی ملحد نہیں۔ میں نے تو صرف ایک اعتراض ایک

سنی الاصل شخص کی طرف سے پیش کیا۔ اور اس کا امیدوار تھا۔ مولوی علی رضا صاحب اور مولوی انصار حسین صاحب اسکا کیا جواب دیتے ہیں۔ نواب صاحب کہنے لگے۔ کیا تمہارے خیال میں اس کا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ اس کے صدہا جواب ہو سکتے ہیں۔ میں تو جناب امیر علیہ السلام کے ایسے فضائل ثابت کر سکتا ہوں۔ جیسے دو اور دو چار۔ کہنے لگے ہاں تمہارا خیال ہے۔ دوسرا کوئی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ سنو! میں جواب دیتا ہوں۔ چوبدار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ مولوی انصار حسین اور مولوی علی رضا کو بلا لاؤ۔ جب وہ دونوں حاضر ہو گئے۔ تو ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ دیکھو مولوی عبید اللہ کا یہ خیال تھا۔ کہ بس میں نے قلعہ فتح کر لیا۔ شیعہ مذہب کا کوئی آدمی اس کا جواب ہی نہیں دے سکتا۔ اسوقت میری طبیعت کبیدہ تھی۔ میں نے جواب دینا پسند نہیں کیا تھا۔ سو تم منصف ہو کر میری باتوں کو سنو۔

جناب امیر علیہ السلام نے عمرو بن ود کو مارا۔ مرحب کو مارا۔ خیبر فتح کیا۔ خندق فتح کیا۔ شیخین نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے۔ مولوی عبید اللہ جواب دو۔ میں نے عرض کیا۔ یہ حقائق محققہ ہیں۔ اظہر من الشمس۔ ابین من الامس اور بدیہی امور میں سے ہیں۔ کون بیوقوف اس کا انکار کر سکتا ہے۔ کہنے لگے۔ کیا یہ خدمت فی الدین نہیں۔ میں نے کہا۔ بیشک خدمت فی الدین ہے۔ کہنے لگے تو شیخین کی ایسی خدمت فی الدین تم پیش کرو۔ میں نے عرض کیا۔ پرسوں ہی کی رات کی تقریر سے عاجز خوفزدہ ہو گیا ہے۔ بجالت خوف کہاں جرأت رکھتا ہوں۔ کہ عرض کروں۔ کہنے لگے نہیں آزادی سے بیان کرو۔ میں نے کہا۔ حضور آزادی کیسی۔ کہنے لگے بے خبر کسی قسم بیان کرو۔ تم اطمینان رکھو میں مذہبی معاملے میں کسی کے ساتھ برا سلوک کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا۔ تو پھر عرض کرتا ہے کہ اگر شیخین نے کسی اونٹ کا کان نہیں چیرا تو حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا اور حضرت سموئیل نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے۔ بلکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو قتل کیا ہے؟ بلکہ اس پر ایک وحشی حضرت حمزہ کا قاتل معارضہ کریگا۔ کہ میں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا ہے۔ جو عمرو بن ود اور مرحب سے زیادہ کافر تھا۔ کیونکہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اور مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ نواب صاحب کہنے لگے۔ کیا کسی کافر کا قتل کرنا داخل فضائل نہیں ہے؟ میں نے کہا۔ ایک کافر کو مسلم کرنا اور مسلم کو مومن اور مومن کو باخدا بنانا داخل فضیلت ہے۔ نہ کہ کافر کو قتل کرنا ورنہ وحشی کو بھی افضل صحابہ سمجھا جائے۔ اس پہلو کو چھوڑ کر نواب صاحب فرمانے لگے۔ تو اچھا جناب امیر علیہ السلام ابن عم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم زوج بتول ہیں یا نہیں۔ میں نے کہا۔ دریں چہ شک فرمانے لگے کیا یہ فضیلت خاص کچھ کم ہے! میں نے کہا بڑی فضیلت ہے۔ اسکا کون انکار کر سکتا ہے۔ کہنے لگے۔ کہ شیخین کو یہ فضیلت حاصل تھی۔ میں نے کہا اس

کہنے لگے بس اسی پر ٹھہر جاؤ۔ تمہاری سب باتوں کا جواب ہو گیا۔ میں نے ہنسکر عرض کیا۔ بیشک تسلی ہو گئی۔ میرے ہنسنے پر فرمانے لگے بڑا خبیث النفس ہے۔ دل میں کچھ ہے۔ ظاہر کچھ کرتا ہے۔ تیرے دل میں جو کچھ ہے بیان کر دے۔ میں نے کہا۔ حضور میرے دل میں کیا ہوتا۔ کہنے لگے نہیں کوئی اعتراض ہے۔ تو بیان کرو۔ میں نے کہا۔ اتنی ہی بات ہے۔ سائل یہ کہیگا۔ کہ میں خدمت فی الدین کی بات پوچھتا ہوں اور جواب قرابت قریبہ سے دیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہے گا۔ کہ فضل بن عباس۔ قثم بن عباس۔ عبداللہ بن عباس۔ عقیل بن ابی طالب یہ چاروں معارضہ کریں گے۔ کہ ہم بھی ابن عم رسول اللہ صلعم ہیں۔ اگر داماد رسول صلعم ہونا ہی باعث فخر ہے۔ تو ابو العاص بھی معارضہ کر سکتا ہے۔ کہ میں بھی داماد رسول خدا ہوں۔ شائد حضور کہدینگے کہ عثمان داماد ہی نہیں تھا۔ مگر مورخ تو یہی لکھتے ہیں۔ اور پھر وہی بات رہی۔ کہ قرابت مندی کو خدمت فی الدین سے کیا تعلق ہے۔ اسپر فرمانے لگے۔ تیرے دل سے فوراً ایمان جاتا رہا۔ میں نے تو کسی خارجی سے بھی ایسے الفاظ نہیں سنے۔ اچھا تو نے یہ بات کہی تھی۔ کہ حضرت عثمان جامع القرآن ہے۔ اسپر ذوالفقار خاں صاحب فرمانے لگے نہیں جامع القرآن تو حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ نواب صاحب نے کہا۔ میں عبید اللہ سے گفتگو کرتا ہوں۔ آپ اس میں دخل نہ دیں۔ جامع القرآن حضرت امیر علیہ السلام ہیں۔ آپ نے علی ترتیب التنزیل قرآن کو جمع کیا تھا۔ کیا یہ فضیلت نہیں ہے؟ کیا اسکا بھی انکار ہے۔ کہ یہ خدمت فی الدین نہیں ہے۔ میں نے کہا۔ اگر پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے۔ تو بیشک بڑی فضیلت ہے۔ فرمانے لگے۔ کیا تیرے نزدیک

پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی۔ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا معترض یہ اعتراض کریگا۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے وہ قرآن کہاں رکھا؟ کہنے لگے چونکہ صحابہ نے اس کو نامنظور کیا۔ اسلئے آپ نے اہل بیت کو دیدیا۔ میں نے کہا۔ اہل بیت نے کہاں رکھا؟ کہنے لگے نسلاً بعد نسلٍ آئمہ کے پاس چلا گیا۔ میں نے کہا اب کہاں ہے؟ کہنے لگے جناب صاحب الامر علیہ السلام (یعنی مہدی) کے پاس ہے جس وقت وہ خروج کریں گے۔ اس وقت لوگ اس کی زیارت کرینگے میں نے عرض کیا۔ کیا یہ قرآن جو بین ایدی الناس ہے یہ بھی منزل من اللہ ہے یا نہیں ہے۔ کہنے لگے ہاں ہے۔ مگر مناقب اہل بیت کی جسقدر آئیں تھیں عثمان نے نکال ڈالیں۔ میں نے کہا۔ اگر نکال ڈالی ہیں تو انکا گناہ عثمان کے ذمہ ہوا ہوگا کچھ انہوں نے بڑھایا تو نہیں کہنے لگے بڑھایا نہیں گھٹایا ضرور ہے۔ میں نے کہا۔ گھٹانے میں تو گفتگو نہیں ہے۔ لیکن بڑھایا نہیں۔ تو پھر یہ قرآن تو برا فیصلہ دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا۔ حافظ احمد علی خاں شوق بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ آیت کسطرح ہے؟ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بیناہ للناس میں نے کہا آگے۔ حافظ صاحب نے پڑھ دیا۔ اولئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللاعنون۔ میں نے دونوں کان ہاتھ سے پکڑ کر کہا۔ توبہ توبہ ایک آیت کے کتمان پر جب یہ وعید ہو۔ تو میری زبان پر تنکارے پڑیں۔ کہ میں کہوں۔ جناب مہدی علیہ السلام نے تمام قرآن کا کتمان کر لیا ہے۔ فرمانے لگے عبید اللہ بس اب مجھ میں تیری بات کے سننے کی تاب نہیں رہی۔ آج تو نے پرسوں کی رات سے بھی زیادہ سخت کلامی کی ہے۔ مجھے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ تو خارجی گروہ میں سے ہو گیا ہے۔ کیا کہوں۔ اگر تو نے جناب امیرؑ کی سوانحعمری نہ لکھی ہوتی۔ تو برا حشر جو کچھ ہوتا لوگ دیکھ لیتے۔ میں نے کہا سر تسلیم خم ہے۔ جو مزاج یار میں آئے۔ حافظ احمد علی خاں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ اس دیوانے کو فہمائش کر دو۔ یہاں رامپور میں کوئی اسکو قتل کر دیگا تو پھر اس کی جماعت کے لوگ کہیں گے۔ کہ جسطرح امیر کابل نے ایک قادیانی کو قتل کر دیا ہے۔ یہ قتل میرے ذمہ تھوپیں گے۔ حافظ احمد علی خاں شوق کہنے لگے حضور اسکا اعتقاد یہ نہیں ہے۔ یہ پکا حضرت امیر کا مداح ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہنے لگے ہیں۔ عبید اللہ! کیا جناب امیر نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ میں نے کہا۔ کی اور بڑے اعلیٰ پایہ کی خدمت فی الدین کی۔ کہنے لگے وہ کونسی ایسی خدمت ہے؟ میں نے کہا۔ ہر تو بھی میں عرض کر دیتا ہوں۔ مگر حضور تسلیم نہیں کریں گے۔ کہنے لگے واہ میں کیوں تسلیم نہیں کرونگا۔ میں نے کہا آپ تسلیم نہیں کرینگے کہنے لگے وہ کونسی ایسی خدمت فی الدین ہے۔ جو ہم شیعہ تسلیم نہیں کرینگے؟ میں نے کہا۔ حضور! وہ یہ ہے کہ حضرت امیر نے کشف شہود اور علم باطن کا دروازہ امت محمدیہ کے مونہہ پر کھولدیا۔ حضرت جنید رح کہتے ہیں۔ مرجعنا فی ھذا الباب علی ابن ابی طالب ہمارا مرجع جو ہے اس باب میں یعنی تصوف اور سلوک میں علی بن ابی طالب ہے۔ قادریہ۔ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ شاذلیہ۔ مجددیہ۔ نقشبندیہ تمام*

(بقیہ بر حاشیہ)

* سلوک کی انتہا حضرت امیر علیہ السلام کی ذات مقدس ہے۔ اور یہ فیض باطنی الی یوم القیامۃ امت محمدیہ میں جاری رہیگا۔ مگر حضرات شیعہ کہتے ہیں۔ کہ امام یازدہم حسن عسکری علیہ السلام تک پہنچکر ختم ہو گیا ہے۔ اور اب صاحب الامر خروج فرما کر از سر نو اس کو زندہ کریں گے۔ اور ان دوازدہ امام کے سوا کوئی شخص کوئی متنفس خواہ کتنا ہی عابد زاہد ہو اس فیض باطنی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ خاصۂ دوازدہ امام ہے۔ لان الخاصۃ لیوجد